جامعاتی تحقیق: معیار و مسائل

آفتاب احمد آفاقی

شعبۂ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی (یوپی)

اردو تحقیق کی روایت بے حد متمول اور تواں رہی ہے۔ ہمارے کلاسیکی شعرا نے نہ صرف اردو شاعری کی مضبوط و پائیدار بنیاد رکھی بلکہ انھوں نے ایک لحاظ سے علمی، لسانی اور تحقیقی فکر و دانش کا بھی ثبوت دیا ہے۔ اردو تحقیق میں خان آرزو کو ان معنوں میں تفوق حاصل ہے کہ انھوں نے اپنی تصنیف ''دریائے لطافت'' میں اردو زبان، قواعد، محاورات اور روزمرّہ سے متعلق مستند اور محققانہ دلائل کی بنیاد پر بحث کی ہے۔ علمی اور فنی رموز و نکات کے باب میں شیفتہ، غالب اور امام بخش صہبائی کی محققانہ بصیرت کا بھی اعتراف بجا طور پر کیا جاتا ہے۔ سرسید کے علمی و تحقیقی شعور کی بالیدگی میں ان بزرگوں کی خدمات سے کسبِ فیض کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جس کے نتیجے میں انھوں نے 'آئین اکبری' اور 'تاریخ فیروز شاہی' کی تصحیح متن میں زبان و املا کی درستگی اور الفاظ کے صوری و معنوی رشتوں کی نشاندہی، تقابل و تجزیے کی بنا پر کر کے معیاری متن کی اہمیت کا احساس دلایا۔ اسی طرح آثار الصنادید کی ترتیب جسے استخراجِ نتائج کی پہلی باضابطہ کوشش قرار دی جاتی ہے، سرسید کی تحقیقی و علمی بصیرت کی بین مثالیں ہیں۔ حالی، شبلی اور مولوی ذکاء اللہ کے یہاں استقرائی تحقیق کی بعض صورتیں ابھرتی نظر آتی ہیں۔ تحقیق کی روایت کے سراغ لگانے میں تذکروں کو بھی خاصی اہمیت دی جاتی رہی ہے جب کہ واقعہ یہ ہے کہ تذکروں میں جس طرح متضاد بیانات ملتے ہیں اور تذکرہ نگاروں نے جس طرح بلا تحقیل و حجت، بعض بیانات کو من و عن قبول کیا ہے، تحقیقی لحاظ سے اسے معتبر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ کسی زبان کی ترقی اور معیار کا تعین، اس زبان میں ہونے والی تحقیقات اور استنباطِ نتائج کے اعتبار پر منحصر ہے۔ قدیم و جدید متن (Text) کی اہمیت اس کے اصل اور معیاری ہونے میں پوشیدہ ہے۔ خواہ وہ کلاسیکی شعر و ادب ہی کیوں نہ ہو کوئی بھی متن جب تک منشائے مصنف کے مطابق نہیں ہوتا اس وقت تک اسے اصل اور معتبر تسلیم کرنا علمی و ادبی دیانتداری نہیں۔ اس لئے کہ تصانیف اور متن پر مصنف کی اجارہ داری نہیں بلکہ یہ موجود اور آئندہ نسلوں کے علاوہ ملک و قوم کی میراث ہوتے ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی متن یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مرورِ ایام کے تحت اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوا، البتہ اسے اس کی اصل حالت عطا کرنے میں اس زبان کے محققین اور ماہر لسانیات کا کردار کلیدی اور بنیادی ہوتا ہے۔ اس لیے ترقی یافتہ قوموں اور سائنسی شعبہ ہائے علوم میں محققین کو اولیت حاصل رہی ہے۔ شعر و ادب کے ضمن میں بھی اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ متون کی درستگی اور گمشدہ ادبی سرمائے کی بازیافت کے علاوہ مختلف متون کو اغلاط سے پاک کرنے جیسی اہم ذمہ داری محققین کی رہینِ منت ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں تحقیق پر کبھی بھی خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی اور کوئی ایسا تحقیقی ادارہ آج تک عملاً وجود میں نہ آ سکا جہاں جدید تر تربیتی نظام، عصری تقاضوں کے لحاظ کے ساتھ تحقیق و تدوین کے فرائض انجام دیے جاتے ہوں۔ ماضی قریب میں بعض اداروں کی خدمات سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم وہ بھی اجتماعی تحقیقی اسپریٹ پیدا نہ کر سکے۔ چند ایک کا اصل مقصد مال و منفعت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جب کہ تحقیق ایک بے حد مشکل اور باضابطہ فن ہے، اس کے اپنے تقاضے، اصول اور طریق کار ہیں۔ اس کا بنیادی مقصد حق و صداقت کا قیام اور موجودہ علم میں اضافہ ہے، اسے ادب کے بنیادی مقاصد کے حصول کا اطلاقی ذریعہ کہنا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں ادب میں حق گوئی، صحت اظہار، تلاشِ حقیقت، تنقیدی بصیرت، گہرے ادبی ذوق اور علم میں اضافے کا دوسرا نام ''تحقیق'' ہے۔ سائنس، طب، سماجی علوم اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ہونے والی حیرت انگیز ترقیات دراصل تحقیق کی برکتوں کا ثمرہ ہی ہیں۔

چنانچہ آج مختلف علوم و فنون میں ترقی یافتہ ممالک اور قوموں کے معیار کے تعین میں ان کی تحقیقی خدمات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں جو بھی ترقیاں ہو رہی ہیں، انسانی زندگی کو جو بھی سہولتیں اور آسانیاں میسر ہیں ان میں تحقیق کے دخل

سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

عہدِ رواں میں ہماری تمام تر ترجیحات وتوجہات کا منبع ومرکز سائنس اور تکنیک ہیں۔اس کے اثرات زبان وادب پر بھی مرتب ہوئے ہیں اور زبانوں کی اہمیت میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔شعبۂ لسانیات تو اب سائنسی بنیادوں پر تجربہ گاہیں قائم کر رہے ہیں اور بین العلوم تقابلی اور تجزیاتی مطالعے پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے اس نوع کی تبدیلی میں تحقیق کا دائرہ بھی خاصا وسیع ہوا ہے۔

جہاں تک اردو تحقیق ،مبادیات اور طریق کار کا سوال ہے اس میں حاوی رجحان ان محققین کا رہا ہے،جن کی ذہنی وفکری تربیت عربی و فارسی زبانوں کے زیرِ سایہ ہوئی لہٰذا انھوں نے اپنے تحقیقی نقطۂ نظر میں بڑی حد تک مشرقی اصول تحقیق اور طریق کار کو بروے کار لایا۔ بلکہ آج بھی انہی کے بنائے اصول اور تصورِ تحقیق کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ان اکابرین کی عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا،لیکن اس بات کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ اردو کے ایسے ناقدین ومحققین جن کی ذہنی وفکری پرورش میں مغربی ادبیات اور اصول ونظریات کو دخل ہے،ان کے یہاں تحقیق کی نئی روشنی واضح طور پر نمایاں ہے ۔بہ الفاظِ دیگر اردو میں وسیع پیمانے پر تحقیقی کام مغربی بلکہ زیادہ صحیح طور پر انگریزی تعلیم کی دین رہی ہے۔جن ادیبوں نے انگریزی علوم اور طریقِ جرح وتعدیل میں مہارت حاصل کی تھی۔انھوں نے اپنے اطلاقی تحقیق میں انہی اصولوں کو برتا ہے۔حافظ محمود شیرانی،محمد شفیع اور قاضی عبدالودود جیسے محققین اس روایت کے بنیاد گزار واقع ہوئے ہیں۔ایسے محققین کے یہاں سماجی اور تہذیبی تحریکات، میلانات اور رجحانات کا واضح شعور ملتا ہے۔ان قلمکاروں کے یہاں بدلتے ہوئے معاشرے،عصر حاضر کے تقاضے اور بین الاقوامی رائج اصول کی پاسداری واضح ہے ۔نئی اقدار کی روشنی میں ادبی ،تنقیدی اور تحقیقی اقدار کے تعین میں سائنٹفک اپروچ ان کے یہاں نسبتاً زیادہ نظر آتا ہے۔

یہاں اس کا اعادہ بھی ضروری ہے کہ آزادی کے بعد جامعاتی سطح پر اردو کے شعبوں میں تحقیق وتدوین کی جو طرح ڈالی گئی اور ان شعبوں کی نگرانی وسرپرستی ایسے باشعور ادبا واساتذہ کے ذمے رہی جو اپنے تحقیقی طریق کار میں انھوں نے جہاں ایک طرف تحقیق کی اعلیٰ روایتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا تو دوسری طرف جدید تقاضے اور افکار ونظریات کے لیے ان کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔یہی سبب ہے کہ محض شعرا وادبا کی شخصیت وتصانیف کی از سرِ نو بازیافت پر توجہ نہ دی گئی بلکہ لسانی سطح پر تحقیق وتدریس کے عمل نے علم لسانیات کی اہمیت کا احساس دلایا۔ آزادی کے بعد لسانیات کو ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوئی۔ جدید سائنسی آلات کے ذریعے زبان کی قدامت کا اندازہ لگانے کے طریقے علم میں آئے۔ تحقیق میں نئی معلومات یا ترجمانی کو اہمیت دی گئی۔معروضی ذہن اور متنازع مسائل میں تمام پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنے کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔نیز ادب میں تحقیق کے رجحان کے فروغ سے احتیاط کی عادت پیدا ہوئی اور احتساب کی ضرورت کو محسوس کیا گیا اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حقائق کی تفہیم وتحلیل میں فن پارے کے حسن کو برقرار رکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس ضمن میں عبدالقادر سروری، اختر اورینوی،خواجہ احمد فاروقی،نورالحسن ہاشمی،نجیب اشرف ندوی،سید اعجاز حسین،مسعود حسن رضوی،مسعود حسین خاں،نذیر احمد،گیان چند جین،سید محمد حسنین،تنویر احمد علوی،نثار احمد فاروقی،عبدالستار دلوی،سیدہ جعفر،ڈاکٹر خلیق انجم اور حنیف نقوی وغیرہ کے نام بطورِ خاص قابلِ ذکر رہے ہیں۔ ان میں بعض کے یہاں مشرقی تحقیقی روایت کی پیروی کے پہلو بہ پہلو تحقیق کے جدید اور عصری تقاضے کی بدیہی طور پر موجود ہیں۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بعد کو جامعاتی سطح پر تحقیق کے بجائے تنقید ہماری توجہات وترجیحات میں شامل رہی ،ابتداً اردو تنقید پر مشرقی افکار وخیالات کو اساسی حیثیت بھلے ہی حاصل ہو لیکن یہاں بھی مغربی افکار و خیالات کے پرتو سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔آج ہماری ادبی تاریخ کے اوراق مغربی تنقیدی نظریات کے پروردہ ناقدین سے بھرے پڑے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو تنقید اپنے معیار ومیزان کے بنا پر ہندستان کی دوسری زبانوں کی تنقید سے کہیں سوا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ عہد میں اردو شعر وادب میں تخلیقی اور تنقیدی اعتبار سے خاصی ترقی ہوئی ہے،مختلف تحریک ورجحان کی بدولت فکری وفنی سطح پر غیر معمولی تبدیلی در آئی ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ علمی دنیا میں ترقی کا ثبوت وہ تحقیقی کام ہوگا جو اس زبان میں ہو رہا ہے۔اس نقطۂ نظر سے اردو کا دامن فی الوقت تقریباً خالی ہے۔علمی اور تحقیقی رسالے تو گویا ہمارے یہاں ہیں ہی نہیں، چند ایک ہیں بھی تو مجموعی طور پر کوئی خاص تاثر قائم کرنے سے قاصر ہیں۔اس کی بڑی وجہ علمی اور تحقیقی مضمون لکھنے والوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں اور جو ہیں ان میں محنت کے بجائے سہل پسندی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔موجودہ دور میں علمی کام سے زیادہ اپنا نام چھپوانے، پو پھٹتے 'ممتاز نقاد' کے عہدے سے سرفراز ہونے کی للک ، مال ومنفعت نیز شہرت کی بلندیوں کو چھونے کی ہوس بھی اردو تحقیق کے دامن کو تنگ کر رہی ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ تحقیقی اور ادبی مضامین کے دائرے بالکل الگ ہیں۔ یہ فرق و امتیاز محض طریق کار میں نہیں بلکہ ان کی زبان کے تقاضے بھی قدرے مختلف ہوتے ہیں۔ ادبی مضامین میں عبارت آرائی اور زیب داستان کی پوری گنجائش ہوتی ہے جب کہ تحقیقی مضمون میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں جو لفظ لکھا جائے گا اس کے وہی معنیٰ لیے جائیں گے جو لغات میں اس کے تحت لکھے گئے ہیں۔ محقق کو قدم قدم پر احتیاط کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جب کہ تخلیقی اور تنقیدی نگارشات میں تاویلات عیب کے بجائے حسن میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اس طرح اردو تحقیق کے تعلق سے یہ کہنا مناسب نہ ہوگا کہ گزشتہ چالیس برسوں میں تمام تر ترقیات کے باوجود اردو میں تحقیق کے اعلیٰ نمونے شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ بلکہ جو بھی بڑے کام ہوئے وہ جامعات سے باہر ہی ہوئے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں یونیورسیٹیوں میں معلومات اور دریافت کی فراوانی ہے وہاں ہمارے شعبوں میں ادبی ذوق کا فقدان ہے۔ جہاں جرأت اظہار ہے وہاں احتیاط کم اور تحقیقی مواد اطمینان بخش نہیں۔ بعض ادیبوں کے یہاں ذہانت اور حسن بیان کی کارفرمائی تو ہے لیکن تحقیقی صلاحیت اور اہم اور غیر اہم میں امتیاز کا فرق معدوم ہے۔ ہمارے شعبے ان معتبر ادیبوں سے بھی تقریباً خالی ہو چکے ہیں جن کے تبحرِ علمی سے طلبا اور اساتذہ دونوں فیضیاب ہوتے تھے، جن کی موجودگی شعبے کے وقار کی ضمانت تھی اور جن سے شرفِ تلمذ باعث اعزاز تصور کیا جاتا تھا۔

اردو میں ادبی تحقیقات دو سطح پہ ہو رہی ہیں۔ ایک کا تعلق جامعاتی تحقیق سے ہے جب کہ دوسرا وہ کام جو ارباب علم یونیورسٹیوں سے باہر آزادانہ طور پر کر رہے ہیں۔ تحقیق کے ضمن میں سرکاری یا غیر سرکاری اداروں کا رول بھی اطمینان بخش نہیں، مجموعی طور پر ہماری یونیورسیٹیاں معیار کے اعتبار سے، دنیا کی دوسو یونیورسیٹیوں میں بھی اپنی جگہ بنانے میں ناکام ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم خالص سائنس یا خالص ادبی تحقیق کے خواہ جتنے بھی دعوے کریں لیکن بغیر کسی افادی یا اخلاقی محرک کے بڑے مقاصد کی حصولیابی سے محروم رہیں گے۔ اعلیٰ معیار ایک خاص فضا میں پروان چڑھتا ہے۔ اگر تحقیقی کام کرنے والوں کی قدر نہ کی جائے اور ان کے روشن مستقبل کی ضمانت نہ دی جائے ایسی صورت میں تحقیق کا معیار کبھی بلند نہیں ہوسکتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ موجودہ دور میں جامعات میں پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ لینے والوں کی اکثریت ان لوگوں کی ہے جو علمی یا تحقیقی تشنگی کی سیرابی کے بجائے کچھ پابندیوں کے تحت ضرورتاً سند لینے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ موجودہ دور میں ریسرچ کے نام پر ملنے والے وظیفے کی خطیر رقم بھی ایم۔اے کے بعد چند برسوں کے لئے سہی بے روزگار کہلانے کی ٹیس کو کم کرنے کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہے، لیکن ان طلبا کا کیا قصور؟ ہمیں اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا بھی اعتراف ضروری ہے۔ اس لیے کہ جامعاتی تحقیق کا تعلق اساتذہ اور طلبا دونوں کے تحقیقی کاموں سے عبارت ہے۔

اردو میں جو تحقیقی کام ہو رہے ہیں اس پر خالص دریافت یا انکشاف کے نقطۂ نظر سے ان کی نوعتیں مختلف ہیں بلکہ تحقیق اور تنقید آپس میں اس طرح گڈ مڈ ہوگئی ہیں کہ اسے تحقیق کے بجائے تنقید، تجزیہ یا تبصرہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ پھر موضوعات پر نظر ڈالی جائے تو ابھی تک ہم ''حیات اور کارنامے'' اور علاقائی ادیبوں، شاعروں کی خدمات یا فرہنگ سازی کی حدود سے باہر نہ نکل سکے ہیں، ہمارے موضوعات ہماری سماجی، سیاسی یا عصری زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، کلاسیکی شعر و ادب سے ہماری عدم دلچسپی اور بے توجہی کا یہ عالم ہے کہ آج تک میر جیسے شاعر کے دیوان کو درست نہ کر سکے، ہماری تحقیق منٹو کے ڈرامے اور افسانے میں امتیاز سے قاصر ہے۔ نصاب میں شامل متن اغلاط کا پلندہ ہیں، موجودہ دور کو فکشن کا دور قرار دیا جا رہا ہے۔ کیا آج تک ہم ناول یا افسانے کی کوئی شعریات متعین کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں؟ قومی سطح کا کیا شکوہ ہم نے شعبے یا باہر کے تجربہ کار اساتذہ پر مشتمل کوئی ایسی کمیٹی بنائی جو موضوعات کے انتخاب میں ہماری رہنمائی کرے اور تکرارِ موضوع پر قدغن لگائے۔

یہ ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے کہ فی الوقت جامعاتی سطح پر اردو تحقیق کا سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ ''تحقیقِ متن'' اور ''تصحیح متن'' کا ہے۔ کلاسیکی اور متداولہ کلیات اور تصانیف کو الحاقی اور غیر مستند اشعار یا عبارت سے پاک کر کے اصل مصنف کے عین مطابق تصنیف کی شکل عطا کرنا بے حد ضروری ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اردو تنقید و تحقیق کی تمام تر کامیابیوں اور کامرانیوں کے دعوؤں کے باوجود ہمارے پاس ابھی تک صحیح متن دستیاب نہیں۔ اس لئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اس وقت ایسے ناقدین کی تعداد زیادہ ہے جن کا سارا کاروبار غلط متن کی تعبیر و تشریح پر چل رہا ہے۔ محمد حسن صاحب کے لفظوں میں کہیں تو 'تنقید کا یہ عمل قیاسی اور غیر مستند، الحاقی کلام کی بنیاد پر بخشی ہوئی شہرتیں یا عائد کی ہوئی گم نامی دونوں فرضی اور بے بنیاد ہیں'' ایسی صورت میں ہماری کلاسیکی نگارشات کی تنقید کا

بڑا حصہ معروضی کی بجائے تاثراتی ہی قرار دیا جائے گا۔ زبان اور طریق کار میں بُعد کے باوجود تنقید اور تحقیق کا باہمی رشتہ اٹوٹ، مضبوط اور پائیدار ہے یہ دونوں ایک دوسرے کی بنیادوں اور دلیلوں کو معتبر اور مستند بناتے ہیں ۔ تحقیق میں استنباطِ نتائج بغیر تحقیق کے ممکن نہیں اور تنقید انہی نتائج کی قدروں کا تعین کرتی ہے۔ یہاں مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق محض ایک مثال پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

اہلِ نظر اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مجنوں گورکھپوری نے میرؔ کے تعلق سے جو مضمون ''میرؔ اور اہم'' لکھا، اس کی عمارت کی بنیاد اس شعر پر قائم ہے:

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

جب کہ یہ شعر میرؔ کے بجائے ایک غیر معروف شاعر امیرؔ کا ہے اور اس سے مختلف ہے۔ اس بات سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ صحیح متن کی غیر موجودگی نقاد کو کس طرح گمراہ کر سکتی ہے اور قیاس کے صحرا میں بھٹکنے پر مجبور کرتی ہے۔

جامعاتی سطح پر طلبا کے کام کی نگرانی کرنے والے اساتذہ کی تحقیق سے عدم دلچسپی بھی بڑی حد تک مبتدیوں کے سامنے مسئلہ پیدا کرتی ہے۔ عام طور پر نگراں کا رویہ مشفقانہ کے بجائے آمرانہ ہوتا ہے جس کے سبب ریسرچ اسکالر آزادانہ طور پر مطالعے کے بجائے نگراں کے نقطۂ نظر سے مقالے کی ترتیب و تنظیم کا فریضہ انجام دینے پر مجبور ہوتا ہے، جب کہ یہ ضروری ہے کہ ریسرچ اسکالر آزادانہ طور پر اپنے مطالعے، دلائل اور دریافت کی بنا پر استنباط نتائج تک پہنچے۔ البتہ نگراں یا دوسرے محققین سے صلاح و مشورہ لینا بھی ضروری ہے۔ ہمارے شعبوں کے ذاتی اور فروعی اختلافات کسی سے پوشیدہ نہیں، یہ علمی یا ادبی نہیں بلکہ خود غرضی اور ذاتی مفاد پر مبنی ہے جس کے منفی اثرات طلبا کی ذہنی و فکری آزادی پر مرتب ہو رہے ہیں۔ ہر موضوع کا انتخاب اس کی حدود اور اہمیت و افادیت کی روشنی میں کرنا ضروری ہے۔ تحقیق میں کوئی حرف آخری نہیں ہوتا، ایک موضوع پر کئی کام ہو سکتے ہیں لیکن یہ احتساب لازمی ہے اس پر اضافہ کیا ہوا یا پھر فرق و امتیاز کی بنیادیں کیا ہیں؟

اردو میں بہت اعلیٰ پائے کا تعمیری کام کم ہوا ہے نکتہ چینی، عیب جوئی اور خردہ گری زیادہ ہے لہٰذا اس طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ بہ قول شمس الرحمٰن فاروقی:

> ''آج ہماری زبان پر کڑا وقت پڑا ہے اور اس کی وجہ سیاسی یا سماجی نہیں بلکہ خود ہم لوگوں کی سہل انگاری اور ہم میں غور و تحقیق کی کمی ہے۔ آج اردو پڑھنے والوں کی تعداد روز بہ روز بڑھ رہی ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ اردو پڑھے ہوئے شخص کو معاش نہیں ملتی۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اچھے پڑھانے والے نہیں ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو جیسی بھی ٹوٹی پھوٹی ڈگری حاصل کر لینے اور پھر تلاشِ معاش کے لیے جوڑ توڑ میں لگ جانے کی جلدی ہے۔ کوئی بھی شخص کہہ سکتا ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں میں تحقیق کی صورتِ حال ہمیں بے حد سنجیدگی سے درون بینی اور خود احتسابی کا تقاضا کرتی ہے''

(اردو دنیا، جنوری ۲۰۱۷، ص: ۱۵)

○○

قلمکاروں سے گزارش

ہمیں آپ کی گراں قدر نگارشات کا بہت بڑا ذخیرہ بذریعہ ڈاک وای۔ میل موصول ہوتا ہے جس میں زیادہ تر مضامین، شاعری اور افسانے رکہانیاں ہوتی ہیں، وقت کی کمی کے باعث سب کا جواب دینا یا نگارشات واپس کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کو آپ ہماری بے رخی پر محمول نہ کریں بلکہ ہماری مجبوری سمجھیں۔ اگر تین ماہ کے اندر آپ کی تخلیق شائع نہ ہو یا اشاعت کے بارے میں اطلاع نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ادارہ اس کی اشاعت سے قاصر ہے۔